نجیبہ عارف*

دہلی سے کابل و قندھار تک: اٹھارھویں صدی میں افغانستان کے دو غیر مطبوعہ سفرنامے

From Delhī to Kābul-o-Qandhār: Two Unpublished Manuscripts of Travels to Afghanistan in 18th Century

Abstract:

This article introduces and reviews two unpublished manuscripts of the travels from Delhi to Afghanistan. Both travels were sponsored and initiated by the East India Company, and the objectives of the missions were to communicate with the rulers of Afghanistan and to gather information about the military power and status of the Shah-i Kabul. The first travelogue was written by Ghulam Muhammad Khan about the mission sent from 1782-to 1787 at the advice of Warren Hastings. The second travelogue was narrated by Abdul Qadir Khan who edited the information brought back by Shaikh Rahm Ali after his travel to Kabul in 1797 at the instruction of John Lumsden. Both manuscripts lie in the British Library and give an interesting account of the cities, towns, rivers, agriculture, military resources, castles, dignitaries, and cultural ambiance of North India in the late eighteenth century.

Keywords: Colonial India, Afghanistan, Travelogues, East India Company, Mughal.

آج کا افغانستان برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں کئی صدیوں سے دخیل رہا ہے۔ افغانستان کہلانے والا علاقہ تاریخی اعتبار سے نقشے پر ایک متحد سلطنت یا ریاست کے طور پر قائم نہیں رہا۔ یہ علاقہ مختلف زمانوں میں مختلف بادشاہوں، امیروں اور حکمرانوں کے زیرِ نگیں رہا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں وسط ایشیا، روس، موجودہ پاکستان اور ایران کے کئی شہر اس کا حصہ رہ چکے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ غزنی، کابل، جلال آباد، قندھار اور ہرات جیسے شہروں سے آنے والے مسافروں نے، خواہ وہ تصوف کے

مختلف سلسلوں سے وابستہ صوفی و درویش ہوں یا اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ چڑھائی کرنے والے امیر و شہنشاہ؛ ہندوستان کی سماجی و سیاسی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ہندوستان کی گزشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ کے دوران میں افغان مہم جوئی کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی (قیام: ۱۶۰۰ء) نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو شمال مغربی محاذ سے غافل نہیں رہی اور آغاز ہی سے افغانستان کے بارے میں انتہائی محتاط رویّہ روا رکھا۔

اٹھارھویں صدی بنی نوع انسان کے لیے مجموعی طور پر ایک انقلاب آفریں صدی سمجھی جاتی ہے۔ یہی وہ عہد ہے جب یورپ، بالخصوص برطانیہ میں ایک قدیم، روایتی سماج نے کروٹ بدلی اور زرعی معاشرہ دیکھتے دیکھتے صنعتی معاشرے میں تبدیل ہو گیا۔ سائنسی علوم کی ترقی نے، دیگر ایجادات کے ساتھ ساتھ، بھاپ کی طاقت کے استعمال سے مشین چلا کر انسانی محنت کا متبادل بھی تلاش کر لیا اور انسانی ہنر مندی اور دست کاریاں مشینی طاقت اور رفتار کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئیں۔ کارخانوں میں ماس پروڈکشن یعنی بیک وقت بہت بڑی مقدار یا تعداد میں تیار ہونے والی مصنوعات نے خام مال کی ضرورت یکا یک کئی گنا بڑھا دی اور ایسے خطوں پر قبضہ جمانا ناگزیر ہو گیا جو مختلف قسم کے خام مال کی پیداوار کے لیے معروف تھے۔ استعماری نظام کا آغاز اسی دور میں ہوا اور دنیا بھر کے مختلف خطے جو پہلے سفارت یا تجارت کے لیے مخصوص تھے، یورپی اقوام کے سامراجی مقاصد کے تحت رفتہ رفتہ یورپی مقبوضات بنتے چلے گئے۔

ہندوستان، جو سترھویں صدی تک سونے کی چڑیا سمجھا جاتا تھا، اٹھارھویں صدی کے آغاز میں اورنگ زیب عالم گیر (ح: ۱۶۵۸ء-۱۷۰۷ء) کی وفات کے بعد اندرونی خلفشار کا شکار ہو چکا تھا اور اندرونی و بیرونی طالع آزماؤں کی مہم جوئی کا مرکز بن چکا تھا۔ پہلے نادر شاہ (ح: ۱۷۳۶ء-۱۷۴۷ء) اور پھر احمد شاہ درانی (ح: ۱۷۴۷ء-۱۷۷۲ء) کے متعدد حملوں نے نہ صرف تختِ ہندوستان کو کمزور کر دیا تھا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی افغان سرداروں اور امرا کے توسیع پسندانہ عزائم سے خبردار کر دیا تھا۔ لہٰذا آغاز ہی سے برطانوی حکام نے افغانستان کے بارے میں ایک محتاط اور ہوشیار رویّہ اختیار کر لیا تھا۔ اس احتیاط کی ایک عملی مثال مقامی مخبروں کے ذریعے جاسوسی کا وہ جال تھا جس کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ہندوستانی ملازموں کو افغانستان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے سفر پر روانہ کیا۔ ان مخبروں نے اپنے اسفار کی مکمل روداد سفرناموں کی صورت میں اپنے برطانوی آقاؤں کو فراہم کی۔ یہ سفرنامے اس خطے کی تاریخ کے اہم ماخذ کے طور پر مطالعے اور تجزیے کے مستحق ہیں۔

برطانیہ کے مختلف کتب خانوں میں اس نوعیت کے کئی سفرنامے، روزنامچوں یا رپورٹوں کی صورت میں موجود ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہم افسروں کے ذاتی ذخائر کتب میں بھی، جو انھوں نے ہندوستان سے واپس جا کر مختلف کتب خانوں کو عطیہ کر دیے تھے، ایسے خطوط اور دستاویزات مل جاتے ہیں جو ہندوستانی ملازموں کے اندرون و بیرون ملک اسفار کی خبر دیتے ہیں۔ انڈیا

آفس لائبریری، جو بعد میں برٹش لائبریری کا حصہ بنا دی گئی، بطور خاص اس نوع کے مخطوطات کا مرکز ہے۔ ان میں سے بیشتر مخطوطات ابھی تک محققین کی توجہ سے محروم رہے ہیں اور منظر عام پر آنے کے منتظر ہیں۔

یہ روزنامچے یا روداد نما تحریریں عموماً فارسی زبان میں لکھی گئی ہیں اور ان میں سفر کی تمام تر تفصیلات مختصر مگر معلومات افزا انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ سفر ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے ممالک، بالخصوص افغانستان، روس، چین اور وسط ایشیائی ممالک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ برٹش لائبریری میں کئی ایسے سفر نامے قلمی نسخوں کی صورت میں موجود ہیں جن میں کمپنی کی حکومت کے ایما پر مختلف علاقوں کے سفر کی روداد بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک سفرنامۂ روس و چین ہے جو محمد عبداللہ کی تصنیف ہے اور ''صاحبانِ عالی شان'' کی ہدایت پر لکھ کر انھی کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ سفر نامہ بہت مختصر ہے۔ مصنف نے تاریخ اور مہینے کا ذکر تو اہتمام سے کیا ہے مگر کہیں بھی سنہ کا اندراج نہیں کیا؛ اس لیے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ سفر کس برس یا کن برسوں میں کیا گیا ہے تاہم متن کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر ۱۷۶۲ء اور ۱۷۷۱ء کے درمیان کسی وقت کیا گیا تھا۔ چند ایک مقامات کے سوا، مصنف محمد عبداللہ نے کہیں بھی اپنے سفر کے تجربات تفصیل سے بیان نہیں کیے۔ ان کی پوری توجہ صرف سفر کی منازل، شہروں اور قصبوں کے درمیان فاصلے اور کہیں کہیں موسم کا حال بیان کرنے پر مبذول رہی ہے۔ البتہ روس اور چین کے بادشاہوں سے ملاقات اور چینی بادشاہ کے لباس اور دربار کے آداب قدرے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس سفر نامے میں بھی موجودہ افغانستان کے کئی شہروں کا ذکر مل جاتا ہے[1]۔

اسی طرح کے دو اور سفر ناموں کے قلمی نسخے برٹش لائبریری میں محفوظ ہیں جن کے عکس ۲۰۱۳ء میں حاصل کیے گئے تھے۔ ان دونوں سفر ناموں کا تعارف و تجزیہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ان میں سے ایک سفر نامہ غلام محمد خان کی تصنیف ہے۔ یہ دہلی سے کابل اور قندھار تک کے سفر کی تفاصیل پر مشتمل ہے جو اٹھارھویں صدی کی آٹھویں دہائی میں (۱۱۹۶ھ-۱۲۰۱ھ۔بہ مطابق ۱۷۸۲ء-۱۷۸۷ء) میں ہوا۔ اس مدت کا اندازہ متن کی داخلی شہادتوں اور قرائن سے ہوتا ہے کیوں کہ مصنف نے بیشتر واقعات کے بیان میں تاریخ اور مہینہ تو لکھا ہے مگر سنہ نہیں لکھا۔ نسخہ ۱۰۴ اوراق پر مشتمل ہے اور ناقص الآخر ہے۔ آخری صفحے ۱۰۴ ب کے آخر میں اگلے صفحے کا پہلا لفظ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متن یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد بھی جاری ہے مگر دستیاب نسخے میں اس کے بعد کے اوراق شامل نہیں ہیں۔ غالباً یہ اوراق لکھے تو گئے ہوں گے مگر بعد میں کسی وجہ سے ضائع ہو گئے ہوں گے[2]۔

یہ نسخہ بڑے سائز کے کاغذ پر خطِ نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ مسطر کا سائز ساڑھے آٹھ ضرب ساڑھے چھے انچ ہے۔ پہلے صفحے پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بعد نو سطریں ہیں جب کہ باقی تمام صفحات پر پندرہ پندرہ سطریں ہیں۔ سطروں کے درمیان

ایک انچ کا فاصلہ ہے۔ نسخے کے آغاز میں موٹے قط کے قلم سے شکستہ خط میں پہلے انگریزی اور پھر فارسی میں یہ عنوان درج ہے جو غالباً لائبریری کے مہتمم یا قلمی نسخے کے مالک نے تحریر کیا ہے کیوں کہ عنوان کا خط متن کے خط سے مختلف ہے:

Travels of Ghulam Muhammad Khan in Upper Hindustan

تصنیف غلام محمد کہ در سفر کابل و قندھار کہ بسفارت گورنر ہستن [Hastings] رفتہ بود واردات راہ تحریر کردہ

سی۔ اے۔ سٹوری نے قیاس ظاہر کیا ہے کہ اس سفر نامے کے مصنف غلام محمد خان وہی ہیں جن کی ایک تصنیف نوادر القصص کے نام سے ملتی ہے۔ سٹوری کے مطابق غلام محمد خان سرہند میں پیدا ہوا اور بارہ سال کی عمر میں حصول معاش کے لیے سرہند سے نکلا۔ کچھ عرصہ شجاع الدولہ کی ملازمت میں بھی رہا اور بکسر کی جنگ میں شریک ہوا۔ وہ اودھ کے چوتھے نواب وزیر، وزیر علی خان (عرصۂ ملازمت: ۱۷۹۷ء-۱۷۹۸ء) کے دربار میں جانوروں کا ڈاکٹر رہا تھا۔ اس نے اپنی کتاب اپنے چودہ سالہ بیٹے کی فرمائش پر لکھی تھی[۳]۔

نوادر القصص لاہور، قصور، کشمیر، تبت، ملتان اور سرہند کے بارے میں معلومات اور روہیلوں، مرہٹوں اور شجاع الدولہ کے بارے میں کچھ تاریخی واقعات کے بیان پر مشتمل ہے[۴]۔ یہ معلومات مذکورہ سفر نامے میں بھی ملتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف نے اسی سفر نامے سے اخذ شدہ معلومات کو نکات کی صورت میں علیٰحدہ بھی بیان کیا ہو۔ نوادر القصص کا نسخہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ سٹوری نے نوادر القصص کے مصنف کی جو مختصر سوانح بیان کی ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس حیثیت میں وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings۔ ۱۷۳۲ء-۱۸۱۸ء)[۵] سے منسلک رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کیا خدمات سر انجام دیتا رہا۔

دوسری اہم شخصیت جو اس سفر نامے کا مرکزی کردار معلوم ہوتی ہے، شاہ عبد اللہ کی ہے۔ سفر نامے کے متن میں درج معلومات کے مطابق جب نادر شاہ (ح: ۱۷۳۶ء-۱۷۴۷ء) کے قتل (۱۷۴۷ء) کے بعد احمد خان ابدالی (ح: ۱۷۴۷ء-۱۷۷۲ء)[۶] نے کابل و قندھار کے تخت پر قبضہ کیا تو صابر درویش نے، جو بادشاہ کے مرشد سمجھے جاتے تھے، بادشاہ کو اپنے ایک مقرب بزرگ شاہ عبد اللہ کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ احمد خان ابدالی نے شاہ عبد اللہ کو نہ صرف اعزاز و اکرام سے نوازا بلکہ ۱۷۴۹ء-۱۷۵۰ء کے دوران میں انھیں سفارت کی غرض سے شاہ جہان آباد بھیجا۔

شاہ جہان آباد کی سلطنت مصنف کے الفاظ میں "نمک حراموں کے سبب تنزل و ادبار کا شکار تھی" چناں چہ شاہ عبد اللہ نے امورِ سلطنت سے کنارہ کشی کر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ رہنے کو ترجیح دی؛ مگر ان کی خاندانی بزرگی اور رسوخ کا شہرہ پھیل گیا اور گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز بھی ان سے استعانت کا طلب گار ہوا[۷]۔ ہیسٹنگز نے رچرڈ جونسن (Richard Johnson۔ ۱۷۵۳ء-۱۸۰۷ء)[۸]

کی وساطت سے کچھ خطوط شاہ عبداللہ کے ذریعے شاہِ افغانستان کی خدمت میں بھیجے۔ان خطوط کی نوعیت کیا تھی، ان کے مندرجات کیا تھے اور کس مقصد سے لکھے گئے تھے، یہ تو اس سفر نامے سے معلوم نہیں ہوتا البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانا کیوں کہ وہ خود بھی اپنے وطن لوٹنے کے مشتاق تھے۔ اس وقت تک احمد خان ابدالی کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے دوسرے بیٹے تیمور شاہ (ح:۱۷۷۲ء-۱۷۹۳ء) تخت نشین ہو چکے تھے۔

اس سفر کا پہلا جزو شاہ جہان آباد سے لکھنؤ اور وہاں سے واپس شاہ جہان آباد آنے تک کا ہے۔ اس راستے میں رام پور کے مقام پر میر محمد حسین (۱۷۴۰/۱ء-۱۷۹۰ء)[۹] اور رچرڈ جونسن نے گورنر جنرل کی طرف سے ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ دریائے گومتی کی راہ سے بنارس سے ہوتے ہوئے لکھنؤ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اسی دوران میں بنارس کے مہاراجا چیت سنگھ (ح:۱۷۷۰ء-۱۷۸۱ء) کے وارن ہیسٹنگز کو قتل کرنے کی افواہ پھیل گئی اور ہر طرف شورش اور سراسیمگی پیدا ہو گئی[۱۰]۔ بعد ازاں لکھنؤ کے نواب آصف الدولہ اور دیگر حمایتیوں کی مدد سے وارن ہیسٹنگز نے نہ صرف چیت سنگھ کی قید سے رہائی حاصل کی بلکہ اس کی حکومت چھین کر اپنے حمایت یافتہ شخص کو بنارس کی حکمرانی سونپ دی اور ''شورش'' کو رفع کر دیا۔ اس کے بعد وارن ہیسٹنگز نے کلکتہ کی طرف رختِ سفر باندھا اور آصف الدولہ لکھنؤ سدھارے۔ شاہ عبداللہ بھی میر محمد حسین اور رچرڈ جونسن کی معیت میں لکھنؤ پہنچے اور نواب وزیر سے ملاقات کے بعد واپس شاہ جہان آباد آ گئے۔ یہ واقعات ۱۷۸۰ء-۱۷۸۱ء کے دوران میں پیش آئے۔

موسم گرما کے باعث چند ماہ سفر میں توقف کیا۔ اسی دوران میں ہندوستان کے امیر الامرا ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان ذوالفقار جنگ، دق کی بیماری میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تاریخ میں درج ہے کہ ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خان کی وفات اپریل ۱۷۸۲ء میں ہوئی[۱۱]۔ ان کی وفات کے کچھ عرصے بعد شاہ عبداللہ نے اپنے وطن کی طرف سفر اختیار کیا[۱۲]۔

سفر نامے کے مصنف نے اس دور میں کابل کے حکمران تیمور شاہ کے بارے میں جو القابات استعمال کیے ہیں وہ بہت دل چسپ ہیں۔ خاص طور پر شاہ کابل کو ''تاج بخش مملکتِ توران و ہندوستان''[۱۳] قرار دینا بہت معنی خیز ہے اور ایک خاص نفسیاتی کیفیت کی چغلی کھاتا ہے۔ مصنف نے سفر کی تمام منزلوں اور شہروں اور قصبوں کے درمیان فاصلوں کو خاص اہتمام سے لکھا ہے۔ یہ فاصلہ کروہ میں ناپا گیا ہے۔ کروہ تقریباً دو میل کی مسافت کو کہتے ہیں۔ فاصلے کے علاوہ، سفر کے دوران مصنف کا قافلہ جن شہروں سے بھی گزرا، ان کی دل چسپ معلومات سفر نامے میں درج کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر پشاور کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک قدیم اور عظیم شہر ہے جو ''شہر سبز'' کہلاتا ہے اور یہاں مختلف اقوام اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ کوہستان کے علاقے میں ایک پہاڑ ''مار کوہ'' یعنی ''سانپ والا پہاڑ'' کے نام کے بارے میں ایک حکایت بیان کرتا ہے جو مقامی لوگوں میں معروف ہے جس کے مطابق اس پہاڑ میں ایک اژدہا رہتا تھا اور لوگ اس سے خوف زدہ تھے۔ حضرت علیؑ نے اس اژدہا کو تلوار سے وار کر کے مار ڈالا۔ آپ کی تلوار سے

اژدہا کے جسم میں آگ لگ گئی تو وہ دریا کی طرف بھاگ گیا۔ دریا حضرت علیؓ کے خوف سے خشک ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ اژدہا جس طرف بھی بھاگا، وہ جگہ خشک ہوتی چلی گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس علاقے کے پہاڑ آج بھی خشک، سیاہ اور بے آب و گیاہ ہیں۔ یہاں سبزے کا نام نشان تک نہیں ہے"[۱۴]۔

مصنف کا یہ سفر کہیں خشکی، تو کہیں دریا کے راستے سے طے ہوتا ہے۔ خاص طور پر دریائے سندھ میں کشتی کے ذریعے سفر کا حال ظاہر کرتا ہے کہ اس دور میں آبی راستوں کا استعمال عام تھا اور کرائے کی کشتیاں دریا میں چلا کرتی تھیں[۱۵]۔ یہ سفر کئی کئی دن پر محیط ہوتا تھا۔

جن شہروں کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے ان میں بیکانیر، نجف کدہ، فرخ نگر، لوہارو، فتح پور، بہاول پور، پاک پتن، خیر پور، سندھ، ملتان، لیّہ، ڈیرہ غازی خان، بھکر، شکار پور، ڈیرہ اسماعیل خان، کالا باغ، لکی مروت، کندیاں، بنوں، کوہاٹ، لنڈی کوتل، اٹک، کوہستان، کشمیر، جنگ، بھیرہ، خوشاب، جمرود، درۂ آفریدی، درۂ خیبر، پشاور، قلعہ لعل بیگ، قلعہ کوتل، لنڈی خانہ، لعل پورہ، جلال آباد، کوہ سفید، کابل، بدخشاں، نعمان اور فتح آباد سمیت چھوٹے بڑے کئی شہر اور قصبے شامل ہیں۔

مصنف نے راستے میں آنے والے تمام مقامات، شہروں، دریاؤں، صوفیہ کے مزاروں، قلعوں اور ہتھیاروں وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس عہد کے تاریخی واقعات کا حال بھی ملتا ہے۔ کئی اہم شخصیات کی زندگی کے واقعات بھی اس سفر نامے کا حصہ بن گئے ہیں۔ نیز یہ سفر نامہ شاہ جہان آباد سے کابل جانے اور واپس آنے کے سفر کے علاوہ، دہلی اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں، دہلی شہر کی عمارات، اہم مقامات اور ان کے محل وقوع پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اپنے مندرجات کے اعتبار سے یہ سفر نامہ تاریخی، سماجی و سیاسی حقائق کا اہم ذخیرہ ہے اور مکمل تدوین و ترجمے کا متقاضی ہے۔

۲

شاہ جہان آباد سے کابل تک کا ایک اور سفر نامہ عبد القادر کی تصنیف ہے جس کا قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذخائر سے برٹش لائبریری میں منتقل ہوا ہے۔ رسالۂ غلام محمد خان کے برعکس یہ نسخہ مکمل اور عمدہ حالت میں موجود ہے۔ کل ۵۱ اوراق پر مشتمل یہ مخطوطہ موٹے قط کے قلم سے صاف اور خوب صورت نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ مسطر گیارہ ضرب ساڑھے چھے انچ ہے۔ سفر نامے کا پہلا صفحہ نقش و نگار سے مزین ہے جس پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بعد سات سطریں درج ہیں؛ جب کہ دیگر تمام صفحات پر گیارہ گیارہ سطریں ہیں جن کے درمیان ایک انچ سے کچھ زیادہ فاصلہ ہے۔ متن کے چاروں طرف حاشیہ لگایا گیا ہے۔ پہلے صفحے پر عنوان کے طور پر یہ عبارت لکھی گئی ہے:

> بیان حالات منازل کابل از بلدۂ شاه جهان آباد و چند سوالات سوای ازان که در وقت وکالت مستر لمزدن [کذا] صاحب منشی عبد القادر خان صاحب به تحقیقات شیخ رحم علی که فرستاده صاحب مذکور بود بسمت کابل تحریر نموده"[16]

اس جملے کا خط رسالۂ غلام محمد خان کے پہلے ورق پر لکھے گئے عنوان کے خط سے ملتا جلتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ دونوں عنوانات ایسٹ انڈیا آفس یا برٹش لائبریری کے کسی کارندے نے لکھے ہیں یا جس ذخیرے سے یہ نسخے حاصل کیے گئے ہیں، اس کے مالک یا منتظم نے لکھے ہوں گے۔ مصنفین نے خود اپنی تحریروں کو کوئی عنوان نہیں دیا۔ تاہم سہولت کے لیے اس مقالے میں ان دونوں مخطوطات کے لیے یہی عنوانات استعمال کیے جا رہے ہیں جو ان کے پہلے ورق پر درج ہیں۔

مخطوطے کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ کابل و قندھار کا یہ سفر شیخ رحم علی نے ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے ایما پر ۱۷۹۷ء میں کیا جس کا حال عبد القادر خان نے رقم کیا ہے۔ عبد القادر خان نے اپنے آپ کو "کمترین ملازمان سرکار فیض آثار کمپنی انگریز بہادر" قرار دیا ہے جس سے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے۔ اس سفر کا حکم دینے والے صاحب بہادر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ...حسب الحکم خداوندنعمت معالی مرتبت رفیع الشان مسٹرجان لمسدین [کذا] صاحب بہادر صاحب کلاں لکھنو...

اس سفر نامے کے مصنّف، منشی عبد القادر خان کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں ملتیں۔ سی۔اے۔ سٹوری کی کتاب میں اس زمانے کی دو شخصیات کا ذکر ملتا ہے جن کا نام عبد القادر تھا۔ ان شخصیات میں سے ایک کا نام منشی قادر خان لکھا گیا ہے۔ سٹوری نے تین مختلف مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے مگر ان کے بارے میں جملہ معلومات ایک مختصر سے شذرے پر مشتمل ہیں جس سے صرف منشی قادر خان کی تصانیف کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔ ان میں تاریخِ آصف جاہی (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء)، تواریخِ فرخندہ (۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء)، سیرِ ہند و گلگشت دکن (۱۲۴۷ھ/ ۲-۱۸۳۱ء)، تاریخِ قادری (۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء) اور شمس المذاہب (۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء) شامل ہیں۔ تاریخِ آصف جاہی دکن میں عہد نظامی کی تاریخ ہے جو ابتدا سے لے کر سکندر جاہ کے عہد تک کا احاطہ کرتی ہے۔ تواریخِ فرخندہ حیدر آباد کی تاریخ کا بیان ہے۔ تاریخِ قادری قطب شاہیوں کی تاریخ ہے[17]۔ منشی قادر خان کو سٹوری نے بیدری بھی لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق جنوبی ہند سے تھا۔ ان کی تصانیف کے موضوعات بھی دکن کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ اس سے زیادہ معلومات ان کے بارے میں نہیں ملتیں اور نہ ہی اس سفر نامے کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ اس بات کا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا کہ منشی قادر خان کا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی سے رہا ہو۔

دوسری شخصیت عبد القادر خان ہیں جو سٹوری کے مطابق عبد القادر خان جائسی کے نام سے معروف تھے۔ ان کے والد

کا نام مولوی واصل علی خان تھا اور وہ بنگال کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے تھے۔ جوانی کے ایام میں انھیں دو معروف تاریخ دان شخصیات؛ علی بہرام خان (عرصۂ ملازمت: ۱۷۹۳ء-۱۷۹۴ء) اور سید غلام حسین خان طباطبائی (۱۷۲۷/۲۸ء؟-۱۸۱۵ء)[۱۸] کی رفاقت حاصل رہی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے ان کا تعلق بالکل واضح ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق بنارس کے ریزیڈنٹ (عرصۂ ملازمت: ۱۷۸۸ء-۱۷۹۵ء) جوناتھن ڈنکن (Jonathan Duncan۔ ۱۷۵٦ء-۱۸۱۱ء) نے انھیں ایک سے زیادہ مرتبہ سیاسی مقاصد کے لیے نیپال بھیجا۔ انھوں نے اپنے اسفار کی رپورٹیں کرنل کرک پیٹرک (William Kirkpatrick۔ ۱۷۵۴ء-۱۸۱۲ء) کو پیش کیں، جنھوں نے ان کا ترجمہ کروا کر بعد میں انھیں شائع بھی کیا۔ چارلس ریو کے بیان کے مطابق کرک پیٹرک نے اپنی کتاب میں انھیں ۱۷۹۳ء میں نیپال بھیجے جانے والے مشن کا ایک رکن قرار دیا ہے[۱۹]۔ جب لکھنؤ کے نواب وزیر، وزیر علی خان کو انگریزوں نے معزول کیا تو عبدالقادر خان (۱۷۹۷ء-۱۸۰۸ء)، جان لمزڈن (Sir John Lumsden۔ ۱۸٦۹ء-۱۹۴۴ء) ریزیڈنٹ لکھنؤ کے معاون تھے اور انھوں نے ہی نواب وزیر کو ان کی معزولی کا پیغام پہنچایا تھا، وہ کچھ عرصہ امرت راؤ (۱۷۷۰ء-۱۸۲۴ء) کے دربار میں بھی رہے[۲۰]۔ سٹوری نے ان کی دو تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تاریخ عماد الملک ہے جو احمد شاہ (ح: ۱۷۴۸ء-۱۷۵۴ء) اور عالم گیر ثانی (ح: ۱۷۵۴ء-۱۷۵۹ء) کے وزیر عمادالملک غازی الدین خان فیروز جنگ (۱۷۴۹ء-۱۸۰۰ء)[۲۱] کی سوانح ہے۔ یہ کتاب سنسکرت کالج بنارس کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن تھورسبی (Thoresby) کی دل چسپی کی بنا پر تصنیف کی گئی تھی اور تحریری ماخذات کے علاوہ خود غازی الدین سے حاصل شدہ زبانی معلومات، خطوط اور نجی دستاویزات کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ دوسری تصنیف کا عنوان حشمتِ کشمیر ہے جو بنارس میں ۳۱-۱۸۳۰ء میں تصنیف کی گئی۔ کتاب کا انتساب برطانوی ایجنٹ حشمت الدولہ ولیم آگسٹس بروک (William Augustus Brooke۔ ۱۷۵۴ء-۱۸۳۳ء) کے نام ہے۔ یہ کشمیر کی تاریخ پر مشتمل ہے جس کے آخری حصّے میں تبت کے علاوہ بدخشاں، غور، غزنیں اور کوہِ سلیمان وغیرہ جیسے علاقوں کا مختصر احوال بھی شامل کیا گیا ہے جو خراسان یا افغانستان کا حصّہ تھے[۲۲]۔

عبدالقادر خان کے حالات میں دو ایسی باتیں ہیں جو انھیں زیر نظر سفر نامے کا مصنف ثابت کرنے کی شہادت بن سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لکھنؤ کے ریزیڈنٹ مسٹر لمزڈن کے معاون تھے اور زیر نظر سفر نامہ بھی مسٹر لمزڈن کے حکم کی تعمیل میں لکھا گیا ہے۔ نیز سفر نامے میں انھوں نے خود کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم بھی قرار دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ انگریزوں کے حکم پر نیپال کے سیاسی مشن پر بھی جا چکے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں کمپنی کے افسران کا اعتماد حاصل تھا۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ انھیں افغانستان کے سفر پر بھیجے جانے والے شیخ رحم علی کے بیان کردہ حالات کو مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو۔ تاہم ان کی دوسری کتاب حشمت کشمیر میں شامل آخری جزو ظاہر کرتا ہے کہ یا تو انھوں نے خود بھی ان علاقوں کا سفر کیا ہو

گا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی سفر نامے میں بیان کردہ حالات کو انھوں نے اپنی کتاب کا جزو بھی بنا دیا ہو۔

صرف ایک بات ایسی ہے جو کھٹکتی ہے۔ سٹوری نے لکھا ہے کہ وہ عبد القادر خان جائسی کے نام سے معروف تھے لیکن اس کتاب کے مصنف نے اپنا نام صرف عبد القادر خان لکھا ہے؛ اس کے ساتھ جائسی کا لاحقہ نہیں لگایا۔ پہلے ورق پر جس کسی نے کتاب کا عنوان اور تعارف لکھا ہے اس نے مصنف کا نام منشی عبد القادر خان لکھا ہے جو مصنف کی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے مگر سٹوری نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ منشی تھے۔ اس کے بجائے انھیں مسٹر لمزڈن کا ''رفیق'' قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال قرین قیاس یہی ہے کہ یہی وہ عبد القادر خان ہیں جو زیر نظر سفر نامے کے مصنف تھے۔ مصنف کے بیان کے مطابق اس سفر کا محرک ان دنوں ہندوستان میں ہونے والا یہ غلغلہ تھا کہ والیِ کابل، شاہ زمان درّانی (۷۰/۱۷۶۷ء؟-۱۸۴۴ء)[۲۳] ہندوستان پر حملے کی نیت سے وارد ہونے والے ہیں۔ لکھنؤ میں کمپنی کے ''صاحب بہادر کلاں'' مسٹر لمزڈن نے شیخ رحم علی کو اس مہم پر کابل بھیجا تھا کہ وہ نہ صرف کابل میں شاہ زمان کی سلطنت اور عسکری طاقت کی مکمل تحقیق کریں بلکہ راہ میں آنے والے شہروں اور علاقوں، ان کے سرداروں اور شاہ زمان سے ان کی وفاداری کا جائزہ بھی لے کر آئیں۔ یہ سفر شاہ جہاں آباد سے شروع ہو کر کابل و قندھار پر منتج ہوتا ہے۔ شیخ رحم علی جو معلومات جمع کر کے لائے تھے انھیں ''بہ عنوانِ شائستہ'' ترتیب دینے کی ذمہ داری عبد القادر کو سونپی گئی اور انھوں نے ہموار زبان اور پختہ خط میں یہ رپورٹ نما سفر نامہ مرتب کیا۔ اغلب ہے کہ یہ قلمی نسخہ مصنف کا اپنا دست نوشتہ ہے کیوں کہ اس میں کہیں کسی کاتب کا ذکر ہے نہ کوئی ترقیمہ ملتا ہے۔

غلام محمد خان کی طرح اس سفر نامے کی خاص بات بھی یہی ہے کہ اس میں پنجاب اور موجودہ خیبر پختونخوا کے اہم شہروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ سفر کی منازل کا بیان بہت دل چسپ ہے کیوں کہ یہ کئی جگہ پر موجودہ دور کے راستوں سے خاصا مختلف ہے۔ جگہ جگہ مختلف ناموں کی سراؤں کا ذکر ملتا ہے اور ان کا حال بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے کئی سرائیں وقت نے نابود کر دیں اور اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں مگر ڈھائی سو سال پہلے یہ سرائیں سفری سہولت کا ایک اہم باب ہوا کرتی تھیں اور مسافروں کی ضرورت کا سامان مہیا کرتی تھیں۔

رحم علی نے راستے میں آنے والے قصبوں، شہروں اور دیہات کی زرعی پیداوار، زمین کی زرخیزی، باشندوں کی قومیت اور ان کے خصائص، ان کی سیاسی وفاداری اور عسکری قوت، آبادی کی کثرت و قلت اور علاقے میں موجود قلعوں اور توپوں کا حال بھی بیان کیا ہے۔ علاقوں کے حکمرانوں یا امیروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے پاس کتنی اور کس نوع کی طاقت موجود ہے۔ جن اہم شہروں اور علاقوں کا حال اس سفر نامے میں ملتا ہے، ان کے درمیان موجود فاصلہ منزل اور کروہ کی اکائی میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ سفر ۱۲۱۲ھ، بہ مطابق ۱۷۹۷ء میں شاہ جہان آباد سے شروع ہوتا ہے۔ مصنف کے مطابق شاہ جہان آباد سے کابل تک پچھتر منزل کا فاصلہ ہے[۲۴]۔ سب سے پہلے وہ ''دارالخلافہ''[۲۵] سے چھ کروہ کے فاصلے پر واقع سرائے بادلی پہنچتا ہے۔ یہاں وہ سبزی منڈی کا حال لکھتا ہے جو زیادہ تر لاہوری اور پنجابی تاجروں کا مسکن ہے۔ سرائے بادلی کے گردونواح میں عظیم الشان عمارتوں ،وسیع و عریض باغات، فرحت بخش انہار، دل کش مساجد و مقابرِ صالحین و امرا کے ذکر کے ساتھ ساتھ وہ ایک شاہی شالامار باغ کے آثار کا ذکر بھی کرتا ہے جو اب ویران ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف انہار کا بیان بھی کرتا ہے جو اب خشک ہو چکی ہیں[۲۶]۔

دہلی سے لاہور تک کے سفر کے دوران میں وہ جن شہروں اور قصبوں سے گزرتا ہے ان میں بندیلہ، سنپت، کنور، سنبھل، پانی پت، کرنال، اعظم آباد، تھانیسر، انبالہ، سرہند، بٹالہ، لدھیانہ، سلطان پور، تالابِ راجا، نورالدین قبہ اور امرتسر شامل ہیں۔ ان شہروں میں جہاں جہاں ہندو، سکھ یا مسلم آبادی اکثریت میں ہے، ان کا ذکر کرتا ہے اور ہر آبادی کی اہم خصوصیات بھی بیان کرتا ہے۔ کچھ اضلاع میں رہنے والوں کو رہزنی میں اور کچھ کو زراعت میں معروف بتاتا ہے۔ امرتسر کو ''معبد و موطنِ سکھاں'' قرار دیتا ہے جہاں اس وقت لہنا سنگھ[۲۷] کی حکمرانی تھی۔ امرتسر کی زمین زرخیز اور سال میں دوبار فصل دینے کے قابل تھی اور وہاں کے ''حوض و چاہ پُر از آبِ شیریں'' تھے[۲۸]۔

ان کے علاوہ وہ راستے میں آنے والی سراؤں کا بھی مفصل بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان میں سے کون سی سرائیں ویران اور بدحال ہیں اور کون سی سرائیں آبِ شیریں اور اشجارِ سایہ دار سے مزیّن ہیں۔ ان میں سرائے بروتھہ، سرائے راجا، سرائے مغول[مغل]، سرائے لشکر خان، سرائے کہنہ، سرائے نور محل، سرائے نکودر، سرائے طوطی، سرائے اورنگ آباد، سرائے خان خاناں اور سرائے امانت خان شامل ہیں۔

لاہور کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اسے سلطان محمود (۹۷۱ء-۱۰۳۰ء) کے غلام ایاز (Malik Ayaz- م:۱۰۵۸ء) نے آباد کیا تھا[۲۹]۔ سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کی اولاد یہاں آباد ہو گئی۔ یہاں کی آب و ہوا خوش گوار، عمارات عمدہ اور پھل خوش ذائقہ ہیں۔ دریائے راوی مغرب کی جانب قلعۂ لاہور کے ساتھ بہتا ہے اور سوادِ شہر میں مقبرۂ ابوالحسن اور درگاہِ شاہ حسین واقع ہیں۔ شہر پناہ سے باہر، جہاں پہلے آبادی تھی، اب ویرانہ ہے۔ اس شہر میں آبادی کی کثرت ہے۔ زمین ہموار ہے لیکن برسات کے موسم میں لشکر و توپ خانے کے گزرنے میں دشواری پیش آسکتی ہے[۳۰]۔

لاہور سے نکل کر وہ تین کروہ کے فاصلے پر شاہ درہ پہنچتا ہے جو دریائے راوی کے کنارے واقع ہے۔ لکھتا ہے کہ گرمیوں کے موسم میں دریا کہیں کہیں سے پایاب ہو جاتا ہے لیکن اکثر کشتیوں پر ہی دریا پار کرنا پڑتا ہے۔ دریا کا پانی اکثر مٹی کے سرخ رنگ کے باعث سرخ معلوم ہوتا ہے اور کبھی کبھی مٹیالا لگتا ہے۔ یہاں وہ مقبرہ جہانگیر کی عالی شان عمارت کا بھی ذکر کرتا ہے اور حاکم لہنا

سنگھ کے عدل و اخلاق اور رعایا پروری کا بھی[۳۱]۔

لاہور سے پشاور اور اس سے آگے تک کے سفر میں آنے والے بیشتر مقامات جانے پہچانے ہیں کیوں کہ موجودہ پاکستان کا حصہ ہیں؛ اس لیے ان علاقوں کے بارے میں جاننا زیادہ دل چسپی کا باعث ہے۔ شاہ درہ سے فضل آباد، سرائے ارچ خان، پُل شاہ دولہ، سرائے بچی، امن آباد [ایمن آباد] اور سرائے گوجراں [گوجراں والا؟] پہنچتا ہے جہاں وہ سکھوں کے تعمیر کردہ ایک خام قلعے کی موجودگی کی خبر دیتا ہے جسے بعد میں شاہ زمان خان درانی نے منہدم کروا دیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے چھ کروہ کے فاصلے پر سرائے جیما گھگھڑ ہے جس کے بعد نظام آباد اور پھر وزیر آباد ہے۔ وزیر آباد سے سات کروہ کے فاصلے پر گجرات شاہ دولہ ہے جس کے قریب دریائے چناب بہتا ہے۔ یہ دریا موسم گرما اور سرما میں پایاب ہو جاتا ہے لیکن لشکر کا اس دریا کو کشتیوں کے بغیر عبور کرنا ناممکن ہے۔ اس سرزمین میں فصل ربیع کی نسبت فصل خریف کی زراعت کم ہے۔ یہاں سے پندرہ کروہ کے فاصلے پر خواص پورہ واقع ہے جسے سرائے خواص خان بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد کھاریاں اور پھر اورنگ آباد ہے جو دامن کوہ میں واقع ہے۔ یہاں وہ عالم گیر کی تعمیر کردہ ایک پختہ سرائے کا ذکر کرتا ہے۔ [یہ مقام اب سرائے عالم گیر کے نام سے مشہور ہے]۔ اس کے بعد زمین سنگلاخ ہو جاتی ہے اور وہ موضع جہلم اور اس کے ساتھ بہنے والے دریائے جہلم کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس دریا کا منبع تبت کے پہاڑ ہیں۔ یہ دریا اگرچہ موسم گرما اور سرما میں پایاب ہو جاتا ہے لیکن لشکر کا اس زمین سے گزر بہت دشوار ہو گا۔ پھر روہتاس کے قلعے تک پہنچتا ہے جسے شیر شاہ سوری (ح: ۱۵۴۰ء-۱۵۴۵ء) نے تعمیر کیا تھا اور جس پر اس علاقے کے زمین دار نور خان کا تصرف ہے۔ روہتاس کے گردونواح میں بہنے والی پہاڑی ندیوں کا بھی تذکرہ کرتا ہے جو اکثر پایاب ہیں مگر ان کے پانی کی رفتار بہت تیز ہے۔ اس کے بعد وہ سرائے کسیاں، پیر جلال، سرائے ڈیکہ، سرائے کالا خان اور سرائے تکیہ جیسے مقامات کا ذکر کرتا ہے۔ یہاں آباد اقوام کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ اس علاقے کی لوگوں کی زبان میں پنجابی اور پشتو کا اشتراک ہے۔ راول پنڈی کے بارے میں وہ صرف اتنا بتاتا ہے کہ یہ نصف راہ میں واقع ہے۔ اس کے بعد پشاور تک کے راستے میں آنے والے مقامات میں سرائے خربزہ، وزیر سرائے، حسن ابدال، نالہ کالا پانی، حسن آباد، شمس آباد، اٹک، اور دریائے اٹک، جسے دریائے اباسین بھی کہتے ہیں، کا بیان کرتا ہے۔ حسن آباد اور اس کے قریب نالہ کالا پانی کے گردونواح کے بارے میں لکھتا ہے کہ کوہِ شمال سے جنوب کی طرف بہنے والا یہ نالہ ان دنوں پایاب ہے۔ اگلے زمانے میں اس کے گردونواح میں بہت بڑا جنگل تھا اور راستہ اس قدر ناہموار تھا کہ لشکر کا یہاں سے گزرنا محال تھا۔ اکبر بادشاہ (ح: ۱۵۵۶ء-۱۶۰۵ء) نے یہ جنگل کاٹ کر یہاں ایک شاہ راہ درست کروائی اور لشکر و توپ خانے کا گزر ممکن کر دیا لیکن عالم گیر کے انتقال کے بعد سلاطین و حکام نے اس علاقے کی دیکھ بھال سے کنارہ کشی کر لی اور یہ راستہ پھر سے ویران و خراب ہو گیا۔ البتہ حسن ابدال میں سنگی عمارتیں، وسیع مکانات اور حمام اب بھی باقی ہیں۔ اس موضع کے اردگرد بھی زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ یہاں سے چند منزل کے

فاصلے پر ایک پہاڑی ندی بہتی ہے۔ زمین ہموار اور زراعت کے لیے موزوں ہے۔ لشکر کا گزر بھی آسان ہے[۳۲]۔

پشاور پہنچ کر اس کا قلم خوب رواں ہوتا ہے اور پشاور کے بارے میں تفصیلی معلومات درج کرتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ زمان، والیِ کابل کے والد تیمور شاہ موسم سرما اسی شہر میں گزارتے تھے۔ لکھتا ہے کہ یہاں ایک خشتی قلعہ بھی ہے اور پتھر کی بنی ہوئی عمارات بھی۔ زمین ہموار اور قابلِ کاشت ہے؛ خوب فصل دیتی ہے۔ پشاور کے چاول ہندوستان بھر میں مشہور ہیں اور ہندوستانی چاولوں سے بہتر اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ لوگ سوغات کے طور پر اپنے اپنے شہروں کو لے کر جاتے ہیں۔ یہاں کا گنّا بھی بہت عمدہ ہے اور دیگر میوہ جات بھی، خصوصاً بِہی[۳۳] کابل کی بِہی سے بھی بہتر ہے۔ ہر طرف نہریں اور چشمے جاری ہیں اور ان کا پانی باغات اور زرعی فصلوں کی خوب آبیاری کرتا ہے۔ آب و ہوا، ہندوستان یعنی شاہ جہان آباد کی طرح گرم ہے۔ برسات میں بارش کم ہوتی ہے اور موسمِ سرما میں برف نہیں گرتی۔ شہر کی اندرونی آبادی کے علاوہ شہر کے اطراف و جوانب میں بھی آبادی ہے۔ اہلِ حرفہ اور تجّار کی کثرت ہے۔ نواب مہابت خان کی تعمیر کردہ ایک عالی شان مسجد شہر کے مرکز میں واقع ہے۔ شہر کے راستے بھی خوب آباد ہیں۔ باغات، سایہ دار درخت اور آبِ رواں ہر طرف دکھائی دیتے ہیں۔ پشاور کا حاکم زرداد خان ہے جسے شاہ زمان نے مقرر کیا ہے۔ اس کے پاس پانچ ہزار سواروں پر مشتمل لشکر ہے جس کا گزارا بخیر و خوبی ہوتا ہے[۳۴]۔

پشاور سے کابل تک کے سفر میں وہ جمرود، درّۂ خیبر، اور علی مسجد کا ذکر کرتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں حضرت علی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ اس علاقے کے بارے میں وہ خبردار کرتا ہے کہ یہاں آبادی کم ہے اور اسی وجہ سے غلّے کی پیداوار بھی کم ہے؛ لہٰذا مسافروں کو چاہیے کہ یہاں سے گزرتے ہوئے اپنا توشہ ہمراہ لائیں۔ درّۂ خیبر کی حفاظت کے لیے یہاں کئی چوکیاں قائم ہیں جو مختلف اقوام سے منسوب ہیں۔ مثال کے طور پر چوکی اوّل قوم خلیل، چوکی دوم کروہ تراہی[؟]، چوکی سوم آفریدی، چوکی چہارم ورک زئی، چوکی پنجم شنواری اور چوکی ششم مہمند قبیلے سے منسوب ہے۔ اس کے بعد وہ گڑھی لعل بیگ اور ڈکھہ[کذا] کا ذکر کرتے ہوئے، یہاں سے چار کروہ کے فاصلے پر ایک مقام ہفت چاہ کے بارے میں کتبِ تاریخ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سیستانی پہلوان رستم کو اس کے بھائی نے دھوکے سے ہلاک کر دیا تھا۔ ان کنوؤں کے قریب ہی ایک پہاڑ پر ہندوستان کے ایک قدیم راجا سال کے قلعے کے آثار ہیں اور موضع بسول واقع ہے[۳۵]۔

اس کے بعد وہ جلال آباد، چار باغ، فتح آباد، باغ نملہ، کندمک، سرخ آب، جگدلہ، باریک آب اور بت خاک سے ہوتے ہوئے اور ان مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے بالآخر کابل پہنچ جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان علاقوں میں تاجیک آبادی کی کثرت ہے۔ کابل میں مغل بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ موسم سرما شدید ہوتا ہے اور ربیع کی فصل کابل میں خوب ہوتی ہے[۳۶]۔

کابل پہنچ کر سفر نامے کی پہلی فصل کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کے بعد متن کے اندر ہی ایک عنوان نما عبارت میں مصنف

بتاتا ہے کہ انگریز افسران کے حکم پر شیخ رحم علی نے بائیس سوال اور ان کے جواب تحریر کیے ہیں۔

در بیان بیست و دو سوال که عندالرخصت بشرافت پناه شیخ رحم علی موصوف حسب الحکم حضور پر نور بضبط تحریر در آمده تحویل گشته بود و تفصیل اجوبه آن ہا۔ [۳۷]

سوالات علی الترتیب یہ ہیں:

۱۔ شاہ زماں کا نظام عدل و جہان بانی کیسا ہے؟

۲۔ [شاہ زمان کی] فوج کتنی ہے اور اس میں سوار کتنے اور پیادہ کتنے ہیں؟

۳۔ بادشاہ کی بود و باش کس طرح کی ہے؟

۴۔ بادشاہ کے تصرف میں کتنا علاقہ ہے؟

۵۔ ملک کے کل محاصل کا کیا تخمینہ ہے؟

۶۔ بادشاہ کے کتنے بیٹے ہیں اور ان کے اوضاع و اطوار کیسے ہیں؟

۷۔ کتنے بیٹے [کابل سے] باہر ہیں؟

۸۔ کتنے بیٹے بادشاہ کے حضور میں رہتے ہیں؟

۹۔ ملازمین کی تنخواہ نقد ادا کی جاتی ہے یا زمین کی صورت میں؟

۱۰۔ توپ خانہ کتنا ہے؟

۱۱۔ بادشاہ کے حضور میں کتنے سردار ہیں؟

۱۲۔ کیا سب سردار بادشاہ کے حق میں ہیں یا نہیں؟

۱۳۔ کون کون سے سردار باہر ہیں؟ وہ کہاں کہاں متعین ہیں اور ہر ایک کے پاس کتنی فوج ہے؟

۱۴۔ ہندوستان سے کابل تک کے راستے میں، شاہ زمان کے زیر فرمان کتنے سردار ہیں؟ ان کے حالات کیسے ہیں، ان کے پاس فوج کتنی ہے اور ان کے ارادے کیا ہیں؟

۱۵۔ بادشاہ کے ملک کی آبادی کیسی ہے؟

۱۶۔ ان علاقوں میں بادشاہ کا احوال اور عدل و انصاف کیسا ہے؟

۱۷۔ رعایا کا بادشاہ کے بارے میں کیا خیال ہے اور بادشاہ رعایا کی پرورش کس طرح کرتا ہے؟

۱۸۔ کابل اور اس کے باہر شاہ زمان کے پاس کتنے قلعے ہیں؟ اور ان کی کیا حالت ہے؟

۱۹۔ شاہ مراد کے ساتھ بادشاہ کی دشمنی کی کیا نوعیت ہے؟

۲۰۔ بادشاہ اور سرداروں کے درمیان مخاصمت کی کیا نوعیت ہے؟

۲۱۔ سکھوں کا کیا احوال ہے؟ ان کے ارادے کیا ہیں؟ بادشاہ کے ہندوستان میں وارد ہونے کی صورت میں وہ سدِ راہ ہوں گے یا نہیں؟

۲۲۔ شاہ زمان کی ہندوستان کی جانب توجہ کی کیا نوعیت ہے اور اس بارے میں اس کا ارادہ کیا اور کہاں تک ہے؟[۳۸]

ان تمام سوالات کے مفصل جواب اس سفر نامے میں موجود ہیں۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات دونوں بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزائم اور ارادوں کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ سفر نامہ غلام محمد خان کے سفر نامے کی نسبت بہت مختصر ہے اور صرف ۵۱ اوراق پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بھی سفر کا احوال ۲۸ اوراق پر مشتمل ہے جس کے بعد بائیس سوال اور ان کے مفصل جواب رقم کیے گئے ہیں۔ یہ سوال وہ ہیں جو شیخ رحم علی ''حسب الحکم حضور پر نور'' ضبطِ تحریر میں لائے تھے۔ آخر میں اختتامی علامت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مکمل حالت میں موجود ہے۔

یہ دونوں سفر نامے اس بہترین منصوبہ بندی اور دوراندیشی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں جس سے کام لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کی حکمت عملی تیار کی۔ یہ بات ۱۸۵۷ء میں ہونے والی ''بغاوت'' سے نصف صدی سے بھی پہلے کی ہے جب کمپنی نے مستقبل میں پیش آنے والی صورت حال کی پیش بینی کے لیے اقدامات شروع کر دیے تھے۔ ان اقدامات میں، جنھیں آج ہم استعماری سازش قرار دیتے ہیں، سب سے اہم کردار خود ہندوستانیوں نے ادا کیا تھا اور کمپنی کے استحکام کے لیے انھیں بہترین خدمات پیش کی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خطے کے عوام بلا تمیزِ مذہب و ملّت بیش بہا صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ استعماری قوتوں نے انھی کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا مگر افسوس کہ ان کے اپنے ہم قوم قائدین، ایک دو مستثنیات کے سوا، انھیں منظم کرنے اور ان کی قوتوں کو ملک و قوم کے لیے مثبت طور پر استعمال کرنے کا ہنر آج تک نہیں سیکھ پائے۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۶۴ء) ڈین کلیۂ زبان و ادب، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۱۔ اس سفر نامے کا مکمل متن ۲۰۱۳ء میں راقم الحروف کو برٹش لائبریری میں ملا جسے مرتب کر کے اردو ترجمے سمیت پہلے مجلہ بازیافت، لاہور میں اور بعد ازاں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ رک: "اٹھارھویں صدی کا ایک نادر سفر نامۂ روس و چین"، بازیافت، شمارہ ۲۵ (جولائی-دسمبر، ۲۰۱۴ء)، ۵۳-۸۲؛ اٹھارھویں صدی کے دو نادر سفرنامے (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۲۱ء)، ۲۵-۷۰۔

۲۔ غلام محمد خان، رسالۂ غلام محمد خان، قلمی نسخہ، برٹش لائبریری، نمبر ۶۵۴، مائیکرو فلم نمبر ۴۱۲۶، عکس مملوکہ راقم الحروف۔

۳۔ سی۔ اے سٹوری [C. A. Storey] *Persian Literature: A Bio- Biographical Survey* جلد اول، حصہ دوم (لندن: ۱۹۵۳ء)، ۱۱۴۷۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ۱۷۷۴ء سے ۱۷۸۵ء تک ہندوستان میں گورنر جنرل کے عہدے پر فائز رہا اور ہندوستان میں نو آبادیاتی نظام کے قیام اور استحکام میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

۶۔ احمد خان ابدالی کو بعد ازاں احمد شاہ ابدالی اور بعض مقامات پر احمد شاہ درانی بھی کہا جانے لگا۔ تاریخ میں انھیں ان تینوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۷۔ غلام محمد خان، رسالۂ غلام محمد خان، قلمی نسخہ، ۷ الف۔

۸۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا جس میں ریزیڈنٹ لکھنؤ (۱۷۸۰ء-۱۷۸۲ء) اور ریزیڈنٹ حیدر آباد (۱۷۸۴ء-۱۷۸۵ء) کے مناصب بھی شامل تھے۔

https://www.historyofparliamentonline.org/volume/1790-1820/member/johnson-richard-1753-1807

تاریخ ملاحظہ ۳۱ جنوری، ۲۰۲۲ء۔

رچرڈ جونسن کا تذکرہ اسی زمانے کے ایک اور قلمی نسخے بہ عنوان وقایع سیر گنگا کے آغاز میں بھی ملتا ہے۔ یہ نسخہ ۱۶ اوراق پر مشتمل ہے اور شاہ جہان آباد سے مکتسر تک کے تیرہ روزہ سفر کے احوال پر مشتمل ہے۔ یہ سفر ۳ ذی قعد ۱۱۵۶ھ بہ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۷۴۳ء کو شروع ہوا۔ ہرمن ایتھے نے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ہرمن ایتھے [Hermann Ethe]، ای۔ ایڈورڈز [E. Edwards]، *Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library*، جلد اوّل (اوکسفرڈ: انڈیا آفس، ۱۹۰۳ء)، اندراج نمبر ۲۷۲۴، کالم ۷۹۔۱۴۷۸۔ بعض شواہد کی بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ یہ سفر نامہ آنند رام مخلص کی تصنیف ہے۔

۹۔ یہ وہی میر حسین ہیں جو طویل مدت تک ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ رہے۔ شاعر، مؤرخ اور سائنس دان تھے۔ مسٹر ایلیٹ کی معیت میں انگلستان بھی گئے اور رسالۂ احوالِ ملکِ فرنگ (۱۷۷۵ء-۱۷۷۸ء) کے عنوان سے انگلستان کا ایک مختصر سفر نامہ بھی لکھا۔ یہ سفر نامہ عربی میں لکھا گیا تھا۔ محمود احمد برکاتی نے اس کے عربی متن اور اردو ترجمے سمیت اسے مشاہداتِ فرنگ کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ محمود احمد برکاتی، مشاہدات فرنگ (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔ س۔ن۔)۔

۱۰۔ چیت سنگھ بنارس کا راجا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی اپنی سلطنت میں بڑھتی ہوئی مداخلت اور تقاضوں کے خلاف مزاحمت پر مجبور ہو گیا تھا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے اپنی فوج کے لیے سپاہیوں اور سپاہی بٹالین کے اخراجات کی فراہمی پر مجبور کیا تو اس نے کمپنی کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کمپنی کا مقابلہ کرنے اور تعمیل حکم سے انکار کا منصوبہ بنایا۔ غداروں کی مخبری کی بدولت کمپنی کو اس کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور اسے اس کے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ ہیسٹنگز خود اس سے پوچھ گچھ کے لیے محل میں پہنچا تو راجا کے آدمیوں نے کمپنی کے افسران کو قتل کر دیا اور ہیسٹنگز کو گرفتار کر لیا تاہم ایک منشی کی تجویز پر اسے قتل نہیں کیا گیا۔ بعد ازاں ہیسٹنگز محل میں موجود اپنے طرف داروں اور راجا کے غداروں کی مدد سے عورت کا بھیس بدل کر محل سے فرار ہو گیا۔ راجا نے اپنی افواج جمع کر کے کمپنی کے خلاف دوسرے مقامی حکمرانوں کی حمایت حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ بالآخر کمپنی نے بزور اس کی حکومت ختم کر کے اس کے بھانجے کو تخت پر

بٹھا دیا۔ غلام محمد خان لکھتے ہیں کہ اس مہم میں لکھنؤ کے نواب آصف الدولہ نے کمپنی کا ساتھ دیا اور ان ہی کی معاونت سے یہ معرکہ کمپنی نے جیت لیا۔ غلام محمد خان، رسالۂ غلام محمد خان، قلمی نسخہ، ۷الف تا ۷ب۔

۱۱۔ ذوالفقار الدولہ نجف خان کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے: صمصام الدولہ شاہ نواز خان، مآثر الامرا، جلد دوم، مترجم محمد ایوب قادری (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۹ء)، ۱۰۴-۱۰۷۔

۱۲۔ غلام محمد خان، رسالۂ غلام محمد خان، قلمی نسخہ، ۸الف۔

۱۳۔ وہ تیمور شاہ کے بارے میں لکھتے ہوئے انھیں "شہنشاہ گیتی ستان، شاہ دوران، تاج بخش مملکتِ توران و ہندوستان" قرار دیتا ہے۔ ایضاً، ۷ب۔

۱۴۔ غلام محمد خان، رسالۂ غلام محمد خان، قلمی نسخہ، ۱۱الف تا ۱۱ب۔

۱۵۔ ایضاً، ۹ب۔

۱۶۔ منشی عبدالقادر خان، بیانِ حالاتِ منازل کابل از بلدۂ شاہ جہان آباد بہ تحقیقات شیخ رحم علی، مخطوطاتِ مشرقی، ۳۹۲، برٹش لائبریری، عکسی نقل مملوکہ راقم الحروف، سرورق۔

۱۷۔ سٹوری، جلد اول، حصہ اوّل، ۴۸۷-۵۵۷؛ جلد اوّل، حصہ دوم، ۱۱۵۲۔

۱۸۔ معروف مؤرخ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خیر خواہ، سیر المتاخرین اور کئی اور کتابوں کے مصنف۔ مفصل حالات کے لیے رک: سٹوری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ۶۲۵-۶۴۰۔

۱۹۔ ڈبلیو کرک پیٹرک [W. Kirkpatrick]، *An Account of the Kingdom of Nepaul-Observations made during a mission to that country in 1793*، (نئی دہلی: ۱۹۶۹ء)، xi، ۳۶۷۔

۲۰۔ پیشوار گوناتھ راؤ کے لے پالک بیٹے جو ساری عمر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہے۔

۲۱۔ مفصّل حالات کے لیے رک: صمصام الدّولہ شاہ نواز خان، مآثر الامراء، جلد دوم، ۸۴۳-۸۵۲۔

۲۲۔ سٹوری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ۶۲۲-۶۲۴، ۶۸۴-۶۸۵۔

۲۳۔ شاہ زمان درانی احمد شاہ درانی کا پوتا تھا جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۰۰ تک کابل کا امیر رہا۔

۲۴۔ منشی عبدالقادر خان، بیانِ حالاتِ منازل کابل از بلدۂ شاہ جہان آباد، قلمی نسخہ، ۳الف۔

۲۵۔ دارالحکومت کو دارالخلافہ کہنے کا رواج خلافت کے باوجود آج تک قائم ہے۔ اس زمانے میں بھی بادشاہ کے پایۂ تخت کو دارالخلافہ کہا جاتا تھا۔

۲۶۔ ایضاً، ۳الف۔ ۳ب۔

۲۷۔ لہنا سنگھ لاہور اور اس کے گرد و نواح کا حکمران تھا جس کی عمل داری ۱۷۶۷ء سے ۱۷۹۷ء تک قائم رہی۔

۲۸۔ منشی عبدالقادر خان، بیانِ حالاتِ منازل کابل از بلدۂ شاہ جہان آباد، قلمی نسخہ ۱۳ب۔ ۱۴الف۔

۲۹۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست نہیں۔ لاہور ایک قدیم شہر ہے اور محمود و ایاز دونوں کے ہندوستان آنے سے پہلے سے آباد تھا۔

۳۰۔ منشی عبدالقادر خان، بیانِ حالاتِ منازل کابل از بلدۂ شاہ جہان آباد، قلمی نسخہ، ۱۴ب۔ ۱۵الف۔

۳۱۔ ایضاً، ۱۵الف۔ ب۔

۳۲۔ ایضاً، ۱۵الف تا ۲۳الف۔

۳۳۔ سیب کی طرح کا ایک پھل۔

۳۴۔ منشی عبدالقادر خان، بیانِ حالاتِ منازل کابل از بلدۂ شاہ جہان آباد، قلمی نسخہ، ۲۳ب تا۔ ۲۴الف۔

۳۵۔ ایضاً، ۲۴ الف تا ۲۵ بے۔

۳۶۔ ایضاً، ۲۶ الف تا ۲۸ بے۔

۳۷۔ ایضاً، ۲۸ بے۔

۳۸۔ ایضاً، ۲۸ بے تا ۵۱ بے۔

Bibliography

Arif, Najeeba. *Aṭhārvīṅ Ṣadī kē Do Nādir Safar Nāmē*. Lahore: Al Faisal Nashiran. 2021.

Arif, Najeeba. "Aṭhārvīṅ Ṣadī ka Ēk Nādir Safar Nāmā' Rūs-o-Chīn". In *Bāzyāft* 25, Jul-Dec, 2014.

Barakati, Mahmud Ahmad. *Mushāhidāt-i Farang*. Lahore: Maghribi Pakistan Urdu Academy, ND.

Ethe, Hermann, Edwards, E. *Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library*. Vol. 1. Oxford: India Office, 1903.

Johnson, Richard. https://www.historyofparliamentonline.org/volume/1790-1820/member/johnson-richard-1753-1807 Accessed. June 2, 2022.

Khan, Ghulam Muhammad. *Risāla Ghulam Muhammad Khan*. MS. British Library. No 652, Microfilm No. 4126.

Khan, Munshi Abdul Qadir. *Bayān-i Hālāt-i Manāzil-i Kābul Az Baldā-i Shāh Jahān Ābād ba Teḥqīqāt-i Shaikh Rēhm Alī.* MS. British Library. Oriental MSS. No 396.

Khan, Shah Nawaz. *Ma'āṡirul Umara*. Vol. 2. Translated by Muhammad Ayub Qadri. Lahore: Markazi Urdu Board, 1969.

Kirkpatrick, W. *An Account of the Kingdom of Nepaul-Observations made during a mission to that country in 1793.* New Delhi: 1969.

Storey, C.A. *Persian Literature: A Bio- Biographical Survey.* Vol. 1. Part 2. London:1953.